ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی اور رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم (۵)

خودی کی ایک اہم خصوصیت

اطاعتِ رسولؐ اور اقتدائے رفتگاں پر زور دینے کی وجہ سے اقبال کے بعض نادان نکتہ چین اسے ملائیت اور تحجر اور جمود کا طعنہ دیتے ہیں۔ دراصل ایسے لوگ اقبال کی حکیمانہ بصیرت سے بے خبر اور اس کے فکر کی گہرائیوں سے ناآشنا ہیں۔ خودی یا زندگی کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اپنی ترقی کے کسی مرحلہ کے آغاز میں جو بھی نئی شکل وہ اختیار کرتی ہے، خواہ وہ ظاہری اسباب اور حالات جنہوں نے اس شکل کا اختیار کرنا اس کے لیے ممکن بنایا ہو کچھ ہوں' وہ شکل ہمیشہ کے لیے طے پاجاتی ہے اور آئندہ کے لیے اس میں کسی قسم کا ردّوبدل ممکن نہیں ہوتا۔ اور زندگی خواہ حیاتیاتی سطحِ ارتقاء پر کارپرداز ہو یا نظریاتی سطحِ ارتقاء پر' یہ بات ہر حالت میں درست رہتی ہے۔

مثلاً ایک نومولود بچّہ کی شکل وصورت اور خدوخال کی جو تفصیلات آغازِ حیات میں مقرر ہو جاتی ہیں وہی زندگی کے آخری لمحہ تک چلی جاتی ہیں اور نشوونما سے حجم اور وضاحت کے سوائے ان میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح سے جب کسی حیاتیاتی تقلیب کے نتیجہ کے طور پر ایک نئی نوعِ حیوانات کا جدِّ اوّل یا پہلا فرد وجود میں آتا ہے تو اس کی شکل وصورت اور اعضاء وجوارح کی جو خصوصیات اس کے جسم میں ظہور پذیر ہوتی ہیں وہ اس کی نوع میں نسلاً بعد نسلٍ جب تک کہ نوع باقی رہے ہمیشہ موجود رہتی ہیں۔ زندگی کے عمل کی ان خصوصیات کی وجہ سے ایک نوعِ حیوانی یا تو اپنی ابتدائی اور اصلی صورت پر ہمیشہ قائم رہتی ہے اور یا پھر کلیتہً مٹ جاتی ہے' لیکن بدلتی نہیں۔

اسی طرح سے جب کسی نظریاتی تقلیب کے نتیجہ کے طور پر ایک نئی قدرتی (یعنی نبوّتی) نظریاتی جماعت کا جدِّ اوّل یا پہلا فرد ظہور پذیر ہوتا ہے تو عمل کے وہ قواعد اور رسوم اور قوانین اور طریقے جو اس

کے نظریہ کے خصائص ہوتے ہیں اور جن کو مجموعی طور پر اس کا قانونِ شریعت کہا جاتا ہے اس کی نظریاتی جماعت یا اُمّت میں نسلاً بعد نسلٍ جب تک کہ وہ اُمّت باقی رہے، ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ زندگی کی خصوصیات کی وجہ سے ایک نوعِ حیوانی کی طرح ایک نبیؑ کی نظریاتی جماعت بھی یا تو اپنی ابتدائی اور اصلی صورت پر ہمیشہ باقی رہتی ہے یا اگر اس میں زندہ رہنے کی صلاحیت نہ ہو تو کلیۃً مٹ جاتی ہے لیکن بدلتی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک ایک مذہب زندہ رہتا ہے اس کے پیرو اپنی پوری قوت کے ساتھ اپنے اندر الحاد اور بدعت کے نمودار ہونے کو روکتے رہتے ہیں۔ جس طرح سے حیاتیاتی وراثت کا قانون ایک نوعِ حیوانی کی اصلی شکل وصُورت کی حفاظت ایک ایسے انتظام سے کرتا ہے جو جسمِ حیوانی کے اندر موجود ہوتی ہے، اسی طرح سے نظریاتی وراثت کا قانون بھی ایک نبوتی نظریاتی جماعت کی شریعت کی حفاظت ایک ایسے انتظام سے کرتا ہے جو انسان کی فطرت کے اندر موجود ہوتا ہے۔ جسمِ حیوانی کے اندر کام کرنے والے وہی حیاتیاتی قوانین جو اس کے لیے توالد کو ممکن بناتے ہیں، حیوان کی آئندہ نسلوں کو ان کے جدِّ اوّل کی شکل وصورت سے ذرّہ بھر انحراف کرنے نہیں دیتے۔ اسی طرح سے فطرتِ انسانی کے وہی نفسیاتی قوانین جو کسی انسان کے لیے ممکن بناتے ہیں کہ وہ کسی نبیؑ پر ایمان لائے اور اس کی روحانی اولاد قرار پاتے، نبیؑ پر ایمان لانے والوں کی آئندہ نسلوں کو اس کی شریعت سے سرِمو انحراف کرنے نہیں دیتے۔ قرآن حکیم نے ذیل کی آیات مبارکہ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء: ۶۴)

اور ہم نے جو بھی پیغمبر بھیجا اسی لیے بھیجا کہ خدا کے حکم کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ
ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ
وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (النساء: ۶۵)

تمہارے پروردگار کی قسم، جب تک یہ لوگ اپنے تنازعات میں تمہیں حکم نہ بنائیں اور حکم بنانے کے بعد آپ جو فیصلہ کریں اس کے متعلق اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ خوشی سے سرِتسلیم خم کر دیں، اُس وقت تک ایمان دار شمار نہیں ہوں گے۔

خودی کی اس خصوصیّت کا نتیجہ

زندگی کی اس خصوصیت کی وجہ سے انسان کی نظریاتی زندگی سے قریب کا تعلّق رکھنے والا کوئی قول یا فعل جو نبیؑ سے سرزد ہوتا ہے خواہ وہ کسی اتّفاق کا یا سلسلۂ اتفاقات کا نتیجہ ہو یا اس کے فوری اسباب اور حالات کچھ ہوں، وہ اس کی امّت کے لیے تاقیامت شریعت کا ایک قانون بن جاتا ہے جس کی دیدہ دانستہ نافرمانی انسان کو ارتقاء کی شاہراہ سے ہٹا دیتی ہے اور اس شاہراہ سے ہٹے ہوئے غلط راستوں پر پڑی ہوئی نظریاتی جماعتوں میں شامل کر دیتی ہے جن کے لیے مِٹ جانا مقدر ہے۔ قرآن حکیم نے اس شاہراہِ ارتقاء کو جو صرف ایک ہی ہے "صراطِ مستقیم" کہا ہے اور اس سے ہٹے ہوئے غلط راستوں کو جو بہت سے ہیں "سُبل" کہا ہے۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ (الانعام: ۱۵۴)

اور بے شک یہ میرا راستہ سیدھا راستہ ہے، اس کی پیروی کرو۔ اور چھوٹے چھوٹے بہت سے راستوں کی پیروی نہ کرو جو تمہیں خدا کے راستہ سے ہٹا دیں۔

یہی سبب ہے کہ قرآن حکیم نے صحابہؓ کو منع فرمایا تھا کہ وہ حضرت موسیٰؑ کی اُمّت کی طرح اپنے رسولؐ سے زیادہ سوالات کر کے اپنے دین کو پیچیدہ اور مشکل نہ بنائیں۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۔ (البقرۃ: ۱۰۸)

کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسولؐ سے بے ضرورت ایسے سوالات کرو جیسے کہ بنی اسرائیل کی طرف سے حضرت موسیٰ سے کیے گئے تھے۔

اور یہی سبب ہے کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی ایسے اقوال اور افعال سے احتیاط فرماتے تھے جو امّت کے لیے دین کو مشکل بنا دیں۔ کیونکہ ضروری تھا کہ ان کو نظر انداز کرنے سے رسولؐ کی نافرمانی لازم آئے۔

خودی کی اس خصوصیّت کے بغیر ارتقاء ممکن نہ ہوتا

زندگی کی اس بنیادی خصوصیّت کی روشنی میں یہ بات آشکار ہو جاتی ہے کہ کیوں رحمۃ للعلمینؐ کے عطا کیے ہوئے نظریۂ حیات کے اندر اس بات کی ایک طاقتور اور ناقابلِ انسداد صلاحیت موجود ہے کہ وہ ہمیشہ اسی حالت پر باقی رہے جس پر اس کے بانیؐ نے اسے چھوڑا تھا۔ زندگی کی یہ خصوصیّت دراصل ارتقاء کی ضروریات کے تابع وجود میں آئی ہے۔ اگر زندگی میں یہ خصوصیت نہ ہوتی تو جب اس کی انتھک کوششوں سے کروڑوں برس کے حیاتیاتی ارتقاء کے بعد انسان کی صورت میں جسمانی اور دماغی لحاظ سے ایک حیرت انگیز طور پر مکمل جسمِ حیوانی وجود میں آیا تھا تو اس بات کی کوئی ضمانت نہ ہوتی کہ وہ آئندہ کے نہایت ہی مشکل اور بدلتے ہوئے حالات کے باوجود اپنے حیاتیاتی کمالات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم رکھ سکے گا اور اس طرح سے آئندہ کے پورے ارتقاء کا ایک قابلِ اعتماد راستہ بن سکے گا۔ پھر اسی طرح سے اگر زندگی میں یہ خصوصیت نہ ہوتی تو جب لاکھوں برس کے نظریاتی ارتقاء کے بعد ایک رحمۃ للعلمینؐ کی مقدس زندگی کی صورت میں ایک حیرت انگیز طور پر مکمل نظریۂ حیات وجود میں آیا تھا تو اس بات کی بھی کوئی ضمانت نہ ہوتی کہ وہ نظریۂ حیات آئندہ کے نہایت ہی مشکل اور بدلتے ہوئے حالات کے باوجود اپنے نظریاتی محاسن اور کمالات کو تا قیامت قائم رکھ سکے گا اور اس طرح سے بعد کے پورے ارتقائے انسانیت کا ایک قابلِ اعتماد ذریعہ بن سکے گا۔ قدرت کا قانونِ وراثت خواہ حیاتیاتی ہو یا نظریاتی، وہ نہ صرف ارتقاء کے منافی نہیں بلکہ ارتقاء کے لیے از بس ضروری ہے۔ اس کے بغیر زندگی نہ تو اپنی گزشتہ حاصلات کو محفوظ کر سکتی تھی اور نہ ہی ان کی بنیادوں پر آئندہ کے حاصلات کی تعمیر کر سکتی تھی۔ یہ قانون اس بات کا ضامن ہے کہ کوئی تغیّر یا تو مقاصدِ ارتقاء کے لیے مفید ہوگا اور اس راستہ پر ظہور پذیر ہوگا جو صحیح ہے اور ارتقاء کی بلند تر منزلوں کی طرف جاتا ہے اور یا پھر اس کو فنا کی قوتوں کے سپرد کر دیا جائے گا تاکہ وہ اسے زود یا بدیر مٹا کر رہیں۔

ہمارے فکر و عمل میں آئندہ کا ارتقائی تغیّر

انسانی شاہراہِ ارتقاء کی منزلِ مقصود مغرب کے غلط نظریات نہیں بلکہ نظریۂ حیات کی وہ صورت ہے جو رحمۃ للعلمینؐ کی عملی زندگی میں آشکار ہوئی تھی۔ لہٰذا مسلمان قوم کے اندر مستقبل میں جو تغیّر رونما

ہونے والا ہے وہ یہ نہیں کہ وہ مغرب کے کسی غلط نظریۂ حیات کے پیرو بن جائیں گے بلکہ قرائن سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مسلمان قوم میں ارتقاء کی منزلِ مقصود کی طرف آئندہ کا تغیّر یہ ہونے والا ہے کہ وہ اپنے لیے ایک جدید اسلامی نظامِ تعلیم نافذ کرے گی جس کے ذریعہ سے وہ طبعیاتی، حیاتیاتی اور نفسیاتی یا انسانی علوم میں سائنسی حقائق کو عقیدۂ توحید کی روشنی میں منظم کر کے عقیدۂ توحید کو ایک ایسی زبردست علمی اور عقلی قوت بنائے گی جو مخالفوں کے دلوں کو بھی مسخر کرے گی اور جس کی وجہ سے عالمِ انسانی امن اور اتحاد کی نعمتوں سے ہمکنار ہوگا۔ اور ایسا نظر آتا ہے کہ اس پُر امن عالمگیر علمی انقلاب کا آغاز پاکستان سے ہوگا۔

آخری قوم کے اعزاز کی شرط

زندگی کے ان حقائق سے ظاہر ہے کہ اگر ہم مسلمان چاہتے ہیں کہ ہم فی الواقع دنیا کی وہ آخری قوم ہونے کا اعزاز حاصل کریں جو کائنات کی حرکتِ ارتقاء کا مقصود اور مدّعا ہے اور جو اقوامِ عالم کی راہ نما اور زمین کی وارث ہونے والی ہے تو ہم کو چاہیے کہ رحمۃ للعلمینؐ کے ہر قول اور فعل کو، جو تاریخ کے معیاروں کے مطابق حضورؐ کا قول اور فعل ثابت ہو چکا ہے یا تواتر اور توارث سے ہم تک پہنچا ہے، نہایت ہی گہرے عاشقانہ احترام کے ساتھ اپنی نظریاتی زندگی کا راہ نما بنائیں۔ اسی لیے اقبال کا یہ شعر:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

کسی بے بنیاد خوش فہمی پر مبنی نہیں، بلکہ خودی کی لازوال فطرت کے ٹھوس حقائق پر مبنی ہے۔

اگر ہم رحمۃ للعلمینؐ کی مکمل اطاعت بجا نہ لا سکیں تو پھر ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ ارتقائے انسانیت اپنی منزلِ مقصود کی طرف آگے نہ بڑھے۔ زندگی کی غیر مبدّل خصوصیات کی وجہ سے اس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ ہوگا کہ ارتقاء کی قوتیں ہمیں مٹا کر ایک اور قوم کو ہماری جگہ پر لائیں گی۔ جو ہماری طرح نہیں ہوگی بلکہ رحمۃ للعلمینؐ کی سچّی اور عاشقانہ اطاعت کی وجہ سے درحقیقت اس قابل ہوگی کہ حرکتِ ارتقاء کا مقصود اور مدّعا اور اقوامِ عالم کی راہ نما اور زمین کی وارث قرار پائے۔ قرآن حکیم میں اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں ہوا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۱)

اے پیغمبر ان لوگوں سے کہیے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو۔ پھر خدا بھی تم سے محبت کرے گا۔

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (آل عمران: ۱۳۹)

اور اگر تم ایمان دار ثابت ہوتے تو تم ہی غالب رہو گے۔

اقبال نے گویا اس آیت کریمہ کا ترجمہ کر دیا ہے:

رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا
اتر گیا جو ترے دل میں لا شریک لہٗ

اگرچہ یہ حقیقت زندگی کی خصوصیات اور ارتقائے عالم کی ضروریات سے صاف ظاہر ہے، تاہم قرآن حکیم نے خود بھی اس کا اعلان فرمایا ہے:

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ

(محمدؐ: ۳۸)

اور اگر تم خدا سے منہ پھیر لو گے تو وہ تمہاری جگہ اور قوم لے آئے گا اور پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ (المائدہ: ۵۴)

اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب خدا ایک ایسی قوم کو پیدا کر دے گا جو خدا سے محبت کرے گی اور جس سے خدا محبت کرے گا۔ وہ مومنوں کے لیے نرم اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے۔ وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ (تمہارا ایمان اور عمل خدا پر تمہارا احسان نہیں بلکہ تم پر) خدا کا فضل ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنا فضل عطا کرتا ہے اور خدا کا علم وسیع ہے۔ (وہ خوب جانتا ہے کہ کون اس فضل کا حقدار ہے)۔